عُلماءِ ہند کا شاندار ماضی

مکمل چار جلد

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

www.besturdubooks.wordpress.com

علماءِ ہند کا شاندار ماضی

مکمل چار جلد

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

متصل مسجد پائیلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۵۴۲۷۹۰۱-۲

E-Mail: julpak@wol.net.pk URL: www.julpak.org.pk

www.besturdubooks.wordpress.com

Ulamae Hind Ka Shandar Mazi
By
Maulana Mohammad Mian
ISBN : 969-8793- 46-1

ضابطہ

اشاعت جدید	:	اگست ۲۰۰۵ء
اشاعت ششم	:	اپریل ۲۰۱۰ء
ناشر	:	محمد ریاض درانی
سرورق	:	جمیل حسین
کمپوزنگ	:	جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر رحمٰن پلازہ غزنی اردو بازار لاہور
مطبع	:	اشتیاق اے مشتاق پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت	:	600/- روپے

حصّہ چہارم

جواں کے عہد وفا میں صرف استحکام ہی نہیں، بلکہ ولولے بھی پیدا کر رہی تھی۔ جنرل بخت خاں نے دہلی سے واپس ہو کر روہیل کھنڈ کا مورچہ سنبھالا۔ وہ غالباً بادشاہ کو بھی یہیں لاتا۔ اُس وقت لکھنؤ، کانپور اور روہیل کھنڈ کی حدود میں آزاد حکومت آسانی سے قائم ہو سکتی تھی۔ لیکن جبکہ جنوبی ہند اور پنجاب کا بیشتر حصہ انگریزوں کا ہمنوا اور مددگار تھا۔ بندرگاہوں پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جن کے راستے سے ہر قسم کی امداد انگریزوں کو دوسرے مقبوضات اور خود انگلستان سے پہنچ سکتی تھی، اور انگریزوں کو بہترین جرنیل اور اپنے مضبوط و مستحکم مرکزوں کی رہنمائی اور امداد بھی حاصل تھی، تو شمالی ہند کی اس نوخیز مملکت کے لئے کامیابی تو پھر بھی قدرت کے کسی معجزہ پر موقوف رہتی۔ البتہ یہ ہوسکتا تھا کہ آپس کی مفاہمت سے خود مختار ریاستیں قائم ہو جاتیں اور وہ بے پناہ جانی و مالی نقصان جو ۱۸۵۷ء کے بعد سالہا سال تک ہندوستانیوں کو بالخصوص محبانِ وطن کو برداشت کرنا پڑا، اس سے پناہ مل جاتی۔

بہرحال یہ ماضی کے متعلق ایک قیاس لاحاصل ہے جس کو طویل کرنے کے بجائے مختصر کر دینا بلکہ ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

فتویٰ کی نوعیت اور اس کی ضرورت

جہاد، اور جب تک جہاد کی طاقت نہ ہو تو جہاد کی تیاری۔ یہ فتویٰ تو اسی وقت سے تھا، جب نصف صدی پہلے دنیائے اسلام کے مفتی اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا تھا کہ:

"اس اطراف میں اور یہاں سے لے کر کلکتہ تک نصاریٰ کا حکم جاری ہے۔ وہ بلا روک ٹوک جو کچھ چاہتے ہیں۔ عبادت گاہوں تک کو مسمار کرڈالتے ہیں۔ مذہب کا کوئی احترام اُن کی نظر میں نہیں ہے۔" (۱۵۸)

اس فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے آپ کے مرید خاص اور آپ کی تحریک کے علمبردار حضرت سید احمد صاحب شہید نے مہاراجہ گوالیار سے امداد کی اپیل کی تھی اور شکوہ کیا تھا کہ:

"بیگانگان بعید الوطن، ملوک زمین و زماں گردیدہ و تاجران متاع فروش بپایہ سلطنت رسیدہ"۔

"سات سمندر پار کے اجنبی، زمین و زمان کے بادشاہ بن گئے ہیں، اور بیچنے والے سوداگر سلطنت کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں"۔ (۱۵۹)

پس اگر آج دین اور دھرم کے نام پر ہندو اور مسلمان اُٹھتے ہیں اور ان "تاجران متاع فروش اور بیگانگان بعید الوطن" سے اپنے وطن عزیز کو پاک کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں، تو اس کے لئے نہ مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہے، نہ فتوے حاصل کرنے کی حاجت۔

چنانچہ نہ میرٹھ کے فوجیوں نے کسی سے مسئلہ پوچھا، اور نہ جب دہلی کے باشندوں نے دہلی میں اُن کا استقبال کیا تو اُن کو کسی فتوے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے

فتوے کے بعد انگریزی ڈپلومیسی کا دارالافتاء[۱۶۰] بھی برابر کام کرتا رہا۔ اس نے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو وہابیت زدہ اور معاذ اللہ لادین قرار دیا۔ پھر مسئلہ کو اُلجھانے اور کھلی ہوئی حقیقت کے چہرہ پر نقاب ڈالنے کے لئے انوکھا پہلو یہ پیش کر دیا کہ:

"انگریز حاکم وقت ہے۔ مسلمان اس کی پناہ میں ہیں (مستامن ہیں) پس اطاعت واجب ہے اور غدر حرام"

اس نظر فریب مغالطہ کو جس طرح مفاد پرست، سرکاری ملازموں اور خود غرض اقتدار پرستوں نے اپنے بچاؤ اور اپنے کرتوتوں کے جواز کے لئے سند بنایا تھا، ایسے ہی کچھ سادہ لوح علماء اور مشائخ بھی اس فریب میں آگئے تھے۔[۱۶۱]

سرسید مرحوم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بھی اس ڈپلومیسی کو کام میں لانے کی کوشش کی گئی۔

چنانچہ ایک فتویٰ مرتب کیا گیا کہ یہ ہڑبونگ اور فساد ہے، جہاد نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں شرکت حرام ہے۔

اس فتویٰ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی اشاعت نہیں ہو سکی، اور اس کی اصل بھی ایسی ناپید ہوگئی کہ سرسید صاحب کو بھی دستیاب نہیں ہوئی۔ صرف اس کی نقل مل سکی، اور وہ بھی کسی قابل اعتماد، باوثوق شخص کے ذریعہ نہیں بلکہ ایسے ذریعہ سے جو خود سید صاحب کے نزدیک غیر قابل اعتبار تھا۔[۱۶۲]

بہرحال فتویٰ ہو یا نہ ہو، مگر واقعہ یہ ہے کہ خود سرسید صاحب کا مسلک یہی تھا اور اسی وجہ سے وہ انگریز کی وفاداری میں یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ اس کی حمایت میں اپنے ملک اور اپنی ملت کے کسی بھی بڑے آدمی کی کوئی وقعت اُن کی نظر میں نہیں تھی۔ انتہا یہ کہ مجاہدین حریت اور محبان وطن کے تذکرہ کے وقت وہ کچھ ایسے بے قابو ہو جاتے ہیں کہ دہلی کی روایتی تہذیب کا دامن بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور ایک ایسا انداز اختیار کر لیتے ہیں جس پر بازاری لوگوں کو بھی شرم آ جاتی ہے۔

اچھا، اب آپ اس انداز نگارش کو نظر انداز فرما کر سید صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمایئے، جس سے فتوے کے مسئلہ پر روشنی پڑے گی۔ سرسید صاحب اسباب بغاوت ہند میں تحریر فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا بہت روزوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اس ارادہ سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر جہاد کریں اور اُن کی حکومت سے آزاد ہو جائیں، نہایت بے بنیاد بات ہے جبکہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے، کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔"[۱۶۳]

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"اور یہ جو ہر ضلع میں پاجی[۱۶۴] اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا، اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش واصلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی۔ غور کرنا چاہیے کہ اس زمانہ میں جن لوگوں نے جھنڈا جہاد کا بلند[۱۶۵] کیا، ایسے خراب اور بد رویہ اور بد اطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ و رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ اُن کا نہ تھا۔ بھلا یہ کیونکہ

پیشوا اور مقتدا جہاد کے گنے جا سکتے تھے۔ اس ہنگامے میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ سرکاری خزانہ اور اسباب جو امانت تھا، اس میں خیانت کرنا،(۱۶۶) ملازمین کو نمک(۱۶۷) حرامی کرنی مذہب کی رو سے درست نہ تھی۔ صریح ظاہر ہے کہ بے گناہوں کا قتل علی الخصوص عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا، مذہب کے بموجب گناہ عظیم تھا(۱۶۸) پھر کیونکر یہ ہنگامہ غدر جہاد ہو سکتا تھا۔ ہاں البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورے کرنے اور جاہلوں کے بہکانے کو، اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا۔ پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزدگیوں میں سے ایک حرامزدگی تھی، نہ واقع میں جہاد"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

"دہلی میں جو فتویٰ جہاد کا چھپا، وہ ایک عمدہ دلیل جہاد کی بھی جاتی ہے، مگر میں نے تحقیق سے سنا ہے، اور اس کے اثبات پر بہت دلیلیں ہیں کہ وہ محض بے اصل ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جب فوج نمک حرام میرٹھ سے دہلی میں گئی تو کسی نے جہاد کے باب میں فتویٰ چاہا۔ سب نے فتویٰ دیا کہ جہاد نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس پہلے فتویٰ کی میں نے نقل دیکھی ہے، مگر جبکہ وہ اصل فتویٰ معدوم ہے تو میں اس نقل کو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک لائق اعتماد کے ہے۔ مگر جب بریلی کی فوج دہلی میں پہنچی اور دوبارہ فتویٰ ہوا، جو مشہور ہے اور جس میں جہاد کرنا واجب لکھا ہے بلاشبہ اصلی نہیں۔ چھاپنے والے اس فتویٰ کے نے جو ایک مفسد اور نہایت قدیمی بدذات آدمی تھا، جاہلوں کے بہکانے اور ورغلانے کو لوگوں کے نام لکھ کر اور چھاپ کر اس کو رونق دی تھی۔ بلکہ ایک آدھ مہر ایسے شخص کی چھاپ دی تھی جو قبل غدر مر چکا تھا۔ مگر مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوج باغی بریلی اور اس کے مفسد ہمراہیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں"۔

"دہلی(۱۶۹) میں ایک بڑا گروہ مولویوں اور اُن کے تابعین کا ایسا تھا کہ مذہب کی رو سے معزول بادشاہ دلی کو بہت(۱۷۰) برا اور بدعتی سمجھتے تھے۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ دلی کی جن مسجدوں میں بادشاہ کا قبض ودخل اور اہتمام ہے، اُن مسجدوں میں نماز درست نہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور غدر سے بہت قبل کے چھپے ہوئے فتوے اس معاملہ میں موجود ہیں۔ پھر کبھی عقل قبول کر سکتی ہے کہ ان لوگوں نے جہاد کے درست ہونے میں اور بادشاہ کو سردار بنانے میں فتویٰ دیا ہو"۔

"جن لوگوں کی مہر اس فتویٰ پر چھاپی گئی ہے، اُن میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی(۱۷۱) اور اُن کی جان وعزت کی حفاظت کی۔ اُن میں سے کوئی شخص(۱۷۲) لڑائی پر نہیں چڑھا۔ مقابلے پر نہیں آیا۔ اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے، جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے"۔(۱۷۳)

سرسید صاحب کی اس طویل تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

❶ مجاہدین حریت کے خلاف اس وقت بھی بدگمانیاں پھیلانے کی کوشش کی گئی، اور نظام حکومت درہم برہم ہونے کے وقت جو حرکتیں عام شرارت پسند اور شہر کے اوباش کیا کرتے تھے، اور جو حرکتیں شاہی خاندان کے آوارہ منش ناتجربہ کار نوجوانوں سے ہوئیں، اُن کو بااخلاص مجاہدین اور شریف الطبع محبان وطن کے سرتھوپا گیا۔ (معاذ اللہ)

❷ ابتداء میں جہاد کا فتویٰ نہیں تھا۔ جنرل بخت خاں جب دہلی آئے تب فتویٰ مرتب کیا گیا۔

سرسید کے ہم نوا شمس العلماء ذکاء اللہ خاں بھی یہی فرماتے ہیں۔ اُن کی تحریر ملاحظہ ہو:

''جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا، جہاد کے فتوے کا چرچا(۱۷۴) شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں ممبروں پر جہاد کا وعظ کمتر ہوتا تھا۔ دلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندان تیموریہ کو ایسا خولہ خطہ جانتے تھے کہ وہ ناممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو مگر اس کے ساتھ جاہل مسلمانوں کو یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایسا پھوڑا نکلا کہ وہ جانبر نہیں ہوگی۔

یہ کام لچے شہدے(۱۷۵) مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے۔ مگر جب ''بخت خاں''، جس کا نام اہل شہر نے ''کم بخت خاں''(۱۷۶) رکھا تھا دلی میں آیا تو اُس نے یہ فتویٰ(۱۷۷) لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کی فتح ہوگی تو وہ اُن کے بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے اُس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مہریں اُن کی کرالیں اور مفتی صدر الدین نے بھی اُن کے جبر سے اپنی جعلی مہر کر دی۔ لیکن مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے فتوی پر مہریں نہیں کیں اور بے باکانہ کہہ دیا کہ شرائط جہاد موافق مذہب اہل اسلام موجود نہیں۔(۱۷۸)

اس فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ جاہل مسلمانوں کا جوش مذہبی زیادہ ہو گیا۔ جن مولویوں نے فتویٰ پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے۔ مولانا نظیر حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے اُن کے گھر میں ایک میم چھپی بیٹھی تھی۔ اس فتویٰ پر کچھ مہریں اصلی اور کچھ جعلی تھیں۔ ایک مولوی کی مہر تھی جو غدر سے پہلے قبر میں سوچکا تھا۔(۱۷۹)

❸ سرسید اور شمس العلماء دونوں کے بیان اس پر متفق ہیں کہ فتوے پر کچھ دستخط اور مہریں فرضی تھیں۔ کچھ نے اپنی رائے کے خلاف زور زبردستی سے دستخط کئے۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ ایسے بے کس و مجبور کون تھے جنہوں نے رعب میں آکر ایسے خطرناک فتوے پر جس کے نتیجہ میں موت سامنے تھی، دستخط کر ڈالے، اور جب کہ مولانا محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین مرعوب نہیں

ہوئے، اُنھوں نے کھلے بندوں مخالفت کی اور کوئی اُن کا بال بیکا نہیں کر سکا، تو اُن کے مرعوب اور مجبور ہونے کی کیا وجہ تھی۔

شمس العلماء نے مفتی صدرالدین صاحب کا نام لیا ہے کہ اُن کی مہر جعلی تھی اور دستخط مجبوراً ہوئے تھے، اور ایک صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مفتی صاحب نے ازراہ ذکاوت دستخط سے پہلے لکھ دیا، شہدت بالحر۔ یعنی ''بالحر'' پر نقطے نہیں لگائے تھے، علماء نے بالخیر پڑھا۔ اور انگریزی تسلط کے بعد جب گرفتاری ہوئی تو مفتی صاحب نے اس کو بالجبر پڑھ کر فرمادیا کہ میں تو پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ دستخط جبراً کیے ہیں لیکن اول تو فتوے پر دستخط سے پہلے یا بعد میں یہ لفظ ''شہدت بالخیر'' بے معنی ہے۔ نہ یہ شہادت کا موقع ہے، اور نہ بالخیر کا لفظ موقع اور محل سے کوئی مناسبت رکھتا ہے آخر اس کے کیا معنی کہ میں نے گواہی دی خیر سے یا خیر کے ساتھ۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ کہ فتوے کی جو نقل صادق الاخبار میں چھپی ہے اُس میں مولانا کی مہر یا دستخط کے آگے پیچھے سرے سے کوئی عبارت ہی نہیں۔

پھر ''جعلی مہر'' بھی وضاحت طلب ہے۔ اگر مفتی صاحب نے دستخط کیے تھے تو مہر کی کیا ضرورت۔ اور اگر دستخط کے بجائے مہر لگادی تھی تو وہ جعلی کیسے ہوئی۔

❹ مولانا سید نذیر حسین صاحب کے متعلق بیانات مختلف ہیں۔ سرسید اور شمس العلماء دونوں نے اُن کو مخالف قرار دیا۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ:

''حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے شاگردوں میں سے مولانا سید نذیر حسین صاحب اور مولانا شیخ محمد تھانوی وہ بزرگ ہیں جو سلطان دہلی کی لڑائی میں غیر جانب دار رہے''۔ (۱۸۰)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے تو ان کے متعلق بہت ہی سخت (۱۸۱) الفاظ لکھے ہیں بایں ہمہ اس موقع پر نہیں تو مقدمہ مباہلہ کے سلسلہ میں راولپنڈی میں ایک سال تک یہ بھی نظر بند رہے۔ (۱۸۲)

بہر حال فتویٰ کے دستخطوں میں اس نام کے متعلق یہ بیان اہمیت اختیار کر لیتا ہے کہ کچھ دستخط جبراً ہوئے۔ اگرچہ ہمیں اب بھی اطمینان نہیں، جس کی وجہ چند سطروں کے بعد ظاہر ہوگی۔

❺ سرسید اور شمس العلماء دونوں کی تحریروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام بادشاہ کے حامی نہیں تھے اور شاہی خاندان کے متعلق بھی وہ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ شمس العلماء کے الفاظ میں ''وہ اُن کو خولہ خیط جانتے تھے''۔

❻ ان باتوں میں اتفاق کے باوجود ایک نہایت اہم اور نازک مسئلہ میں سرسید اور شمس العلماء کی مذکورہ بالا تحریریں مختلف ہیں۔ سرسید صاحب فرماتے ہیں کہ ''جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے، کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان انگریزوں کو ہندوستان کا جائز حکمران تسلیم کر چکے تھے۔ لہٰذا اس کی مخالفت

غدر اور بغاوت تھی، جو جائز نہیں ہو سکتی اور نہ اس کو جہاد کہا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، انگریز ڈپلومیسی یہی سبق دے رہی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء تک کم از کم دہلی کے علماء نے اس سبق کو ذہن نشین نہیں کیا تھا۔ وہ انگریزوں کو غاصب اور متغلب ہی سمجھتے تھے۔ سرسید کی تحریر کے خلاف شمس العلماء نے ایک جگہ اختلاف کی وجہ یہ تحریر کی۔

''شرائط جہاد موافق مذہب اہل اسلام موجود نہیں''۔

شمس العلماء کے بیان کے بموجب مولانا محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین صاحب نے یہی وجہ بیان کی تھی۔

اس توجیہ اور استدلال کا مطلب یہ ہے کہ انگریزوں کو جائز حکمران تو نہیں مانا جاتا۔ مگر چونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، اس لئے جہاد کا فتویٰ بھی نہیں دیا جاتا۔

اصل حقیقت

❼ مذکورہ بالا تفصیلات کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ابتداء میں اسی نظریہ پر اتفاق رہا جو پچاس سال پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے پیش کیا تھا۔ جس کی کامیابی کے لئے حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ اور اُن کے پاک باز رفقاء نے جانیں قربان کی تھیں اور جو مسلمانوں کے دماغوں میں راسخ ہو چکا تھا کہ:

> ''ہم ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ سات سمندر پار سے انگریز سوداگری کی غرض سے ہندوستان آئے۔ حکومت ہند نے اُن کو تجارت کی اجازت دی۔ ان غیر ملکیوں نے غیر ملکی رہتے ہوئے رفتہ رفتہ ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبضہ بالجبر اور یہ تسلط غاصبانہ ہے۔ باشندگان وطن کا فرض ہے کہ اس بیرونی طاقت سے وطن عزیز کو آزاد کرائیں''۔

اس نظریہ کی بنا پر جب یہ موقع آیا کہ کچھ فوجیں برگشتہ ہوئیں اور ملک کو آزاد کرانے کے لئے اُنہوں نے جان کی بازی لگا دی تو اب پس و پیش کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ اس واضح مقصد کے لئے فتوے کی ضرورت تھی۔

لیکن آغاز تحریک (یعنی ۱۱رمئی ۱۸۵۷ء) سے چند روز بعد ہی یہ صورت پیش آئی کہ ایک طرف جن کو زمام قیادت سپرد کی گئی تھی، اُن میں قیادت و سیادت کی صلاحیت نہیں تھی اور دوسری جانب انگریز کے خفیہ حامی جو نہایت خاموشی سے شہر میں کام کر رہے تھے، اُن کی طرف سے یہ دل کو لگنے والا سوال اُٹھا دیا گیا کہ ہماری طاقت غیر قابل اعتماد ہے اور ممکن ہے بادشاہ کی اہلیت و صلاحیت کا سوال بھی پیدا کر دیا گیا ہو، تب لامحالہ علماء کی رائے میں اختلاف ہو گیا۔ اور مان لیجئے کہ حضرت شاہ اسحاق صاحب اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے علماء جو بادشاہ کو بدبخت، ضعیف الرائے اور نااہل سمجھتے تھے، وہ کنارہ کش ہونے لگے۔ چند روز بعد جب ۲رجولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں فوج، اسلحہ اور نقد رقم لے کر مولانا سرفراز علی صاحب اور دوسرے علماء کے ساتھ دہلی پہنچ گیا اور بادشاہ نے کمانڈر انچیف اور نائب السلطنت کی حیثیت دے کر اختیارات اُس کے سپرد

کر دیئے۔ یہاں تک کہ بیرون دہلی انقلابی افواج کو بادشاہ کی جانب سے ہدایات جنرل بخت خاں ہی دینے لگے، تو جہاں تک بادشاہ کی نا اہلیت وغیرہ کا سوال تھا وہ خود بخود ختم ہو گیا۔ کیونکہ جنرل بخت خاں اور اُس کے پیرو مرشد مولانا سرفراز خاں صاحب اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے جس کو بادشاہ کے متعلق اعتراض تھا۔ جنرل بخت خاں، مولانا سرفراز علی صاحب کے معتقد تھے اور مولانا سرفراز علی صاحب حضرت سید صاحب سے وابستہ تھے، اور گورکھ پور کے علاقہ میں حضرت سید صاحب کے نام پر بیعت لیتے رہے تھے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ گیا۔ یعنی کیا ہم میں طاقت، مقاومت اور قوت مقابلہ اس درجہ کی ہے کہ ہم فتح پا سکیں یا نہیں؟ اسی پر غور کرنے کے لئے جامع مسجد میں اجتماع کیا گیا۔ مولانا محبوب علی صاحب کی رائے اس وقت بھی یہی رہی کہ ہم میں قوت مقابلہ نہیں ہے لہٰذا شرط جہاد اسلامی اصول کے مطابق نہیں پائی جاتی، اور وہ اسی رائے پر آخر تک باقی رہے۔ مگر خواجہ ضیاء الدین صاحب نے پہلے مخالفت کی۔ پھر آپ بھی متفق ہو گئے۔ چنانچہ فتوے پر آپ کے دستخط موجود ہیں۔

بہرحال دستخط کے وقت نہ مرعوبیت تھی نہ جبر و قہر۔ بلکہ سوچ سمجھ کر بحث و تمحیص کے بعد دستخط کیے گئے۔ ہاں ناکامی کے بعد جب دار و گیر کا سلسلہ شروع ہوا، تو ممکن ہے کچھ علماء نے جبر کا عذر پیش کر دیا ہو۔

اب آپ وہ فتوے ملاحظہ فرمایئے جس کی تمہید کا طویل سلسلہ چند صفحات سے چل رہا ہے۔ سوال و جواب کی عبارت پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت ارباب فتویٰ اور اہل علم کے سامنے نہ یہ تصور ہے کہ انگریز حاکم ہے، اور ہم اس کی مستامن رعایا۔ نہ بادشاہ اور خاندان تیموریہ کی اہلیت یا نا اہلیت کا مسئلہ پیش نظر ہے، اور نہ یہ بات سامنے ہے کہ انگریز اگر قابض ہو گئے تو زن و بچہ کا استیصال کر دیں گے۔ یہ سب نکتے بعد الوقوع اور اُن مصنفین کے تصنیف فرمودہ ہیں جو بارگاہ انگریز میں خطابات سے سرفراز ہوئے۔ سوال اُس وقت صرف ایک تھا کہ آیا ہم میں مقابلہ کی طاقت ہے یا نہیں؟ چنانچہ عبارت سوال یہ ہے۔

☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں، اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں والے ہیں اُن کو بھی جہاد کرنا چاہیے یا نہیں۔ بیان کرو، اللہ تم کو جزاء خیر دے۔

☆

درصورت مرقومہ فرض عین ہے، اُوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے۔ تو فرض عین ہونے میں کیا شک

رہا۔ اور اطراف واحوال کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں، مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں اُن پر بھی فرض ہو جاوے گا۔ اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرفا اور غربا فرض عین ہوگا۔ اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل وغارت کا ارادہ کریں، تو اس بستی والوں پر بھی فرض عین ہو جائے گا بشرطِ اُن کی طاقت کے۔ العبد المجیب احقر: نور جمال عفی عنہ

اس فتوے کا عکس جو سو تنتر دہلی[۱۸۳] اور نوائے آزادی[۱۸۴] میں شائع ہوا ہے اس میں اس جواب کے نیچے مندرجہ ذیل علماء کے دستخط اور مہریں بھی ہیں۔

(۱) سید محمد نذیر حسین۔ (۲) رحمت اللہ۔ (۳) مفتی محمد صدر الدین۔ (۴) مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی۔ (۵) محمد ضیاء الدین (۶) عبدالقادر۔ (۷) فقیر احمد سعید احمدی۔ (۸) محمد میر خاں (یا میر محمد خاں یا میر خاں محمد)۔ (۹) محمد عبدالکریم۔ (۱۰) فقیر سکندر علی۔ (۱۱) محمد کریم اللہ۔ (۱۲) مولوی عبدالغنی۔ (۱۳) خادم العلماء محمد عبدالغنی۔ (۱۴) فرید الدین۔ (۱۵) محمد سرفراز علی۔ (۱۶) سید محبوب علی جعفری۔ (۱۷) ابواحمد محمد حامی الدین۔ (۱۸) سید احمد علی۔ (۱۹) الٰہی بخش۔ (۲۰) محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی۔ (۲۱) محمد انصار علی۔ (۲۲) مولوی سعید الدین۔ (۲۳) حفیظ اللہ خاں۔ (۲۴) محمد نور الحق عفی عنہ۔ (۲۵) سراج العلماء ضیاء الفقہاء مفتی عدالت العالیہ محمد رحمت علی خاں۔ (۲۶) واللہ الغنی وانتم الفقراء۔ (۲۷) حیدر علی۔ (۲۸) سیف الرحمٰن۔ (۲۹) سید عبدالحمید عفی اللہ عنہ۔ (۳۰) محمد ہاشم۔ (۳۱) یا سید حافظ (۳۲) محمد امداد علی عفی عنہ۔ (۳۳) خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین۔

نیچے تحریر ہے: حسب فرمان واجب الاذعان شاہی در مجمع المطابع دہلی جمیل الدین خاں مہتمم طبع نمود۔

دستخطوں یا مہروں میں جو الفاظ لکھے ہوئے ہیں، وہ بجنسہٖ سطور بالا میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا جناب مولانا مفتی صدر الدین صاحب کے متعلق جو روایت مشہور ہے کہ آپ نے دستخط سے پہلے شہدت بالجبر بھی لکھ دیا تھا اور ناکامی تحریک کے بعد جب آپ سے باز پرس کی گئی تو آپ نے اپنی معذرت میں پیش کر دیا کہ میں نے خود ہی لکھا ہے۔ شہدت بالجبر یعنی یہ دستخط جبراً کئے ہیں۔ پس یہ معذرت قبول ہوئی اور آپ بری کر دیئے گئے۔ صرف کچھ جائداد ضبط ہوئی۔

مذکورہ بالا عکس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بے حقیقت ہے۔ ظرافت یا کسی رقابت کی بناء پر اختراع کی گئی ہے۔

شمس العلماء ذکاء اللہ خاں صاحب نے مولانا رحمت اللہ صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

اس دانش مند مولوی کے نزدیک "دہلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی، بلکہ ایک ہنگامہ فساد برپا تھا"۔

شمس العلماء کا یہ خیال بھی غلط ہے۔

حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کے دستخط بھی اس فتوے پر نہیں ہیں کیونکہ مولانا موصوف اس فتوے کی ترتیب اور جامع مسجد کے اجتماع سے کئی ہفتہ بعد وسط اگست میں دہلی تشریف لائے تھے۔

اُن کو اپنی تنخواہوں، اپنی عزت اور آخر عمر میں اپنی پنشنوں کا خیال آتا تھا۔ سپاہی ان کے حکم نہیں مانتے تھے۔ اور اُن کو ایسی باتیں سنا دیتے تھے جس سے وہ شکستہ خاطر ہوتے تھے۔ (تاریخ عروج عہد انگلشیہ ص ۶۹۹)

۱۵۲۔ نواب محمود علی خاں صاحب کے حالات مضافات دہلی کے باب میں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۵۳۔ غدر کی صبح و شام ص ۲۴۲ و ص ۲۴۳۔

۱۵۴۔ ایضاً ص ۲۴۸

۱۵۵۔ ایضاً ص ۲۴۲ وغیرہ

۱۵۶۔ مگر دلی والوں کی خوش طبعی کا یہ رنگ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حالت میں جس سے ظہیر صاحب پناہ مانگ رہے ہیں، اُن کی تفریح اور خوش مزاجی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بقول خواجہ حسن نظامی مرحوم و مغفور، انگریزی توپوں کی گولہ باری اُن کے لئے شب برات کی آتش بازی کی طرح تماشا ہوگئی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر لوگ چڑھ جاتے اور گولوں کی سیر دیکھتے۔ جب گولہ آتا تو غل مچاتے، وہ آیا وہ آیا۔ گرتا تو شور مچاتے، وہ مارا کہیں قریب میں گرتا تو سینکڑوں دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مرحوم ہمایوں کے مقبرہ کی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھا کرتے تھے۔ اس تماشے ہی میں اُن کو اس کا بھی احساس ہوا کہ آواز کی رفتار سے روشنی کی رفتار زیادہ تیز ہے کیونکہ گولہ چھوٹنے کے وقت روشنی پہلے نظر آتی تھی۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد آواز کانوں میں پہنچتی تھی۔ (داستان غدر اور دہلی کی جان کنی)

۱۵۷۔ لال قلعہ ۱۶۴۸ء میں مکمل ہوا تھا۔ دوسو نو سال کے بعد اس کے در و دیوار نے پہلی مرتبہ اجنبی حکمران کا جام صحت تجویز ہونے کی صدا سنی۔ (غلام رسول مہر)

۱۵۸۔ ماخوذ از فتاویٰ عزیزیہ۔ ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد ۲

۱۵۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، شاندار ماضی جلد دوم۔

۱۶۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہمارے ہندوستانی مسلمان (از ڈاکٹر ہنٹر) کا ضمیمہ، بالخصوص ضمیمہ نمبر ۳۔

۱۶۱۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ اس واہیہ کبریٰ (۱۸۵۷ء کے انقلابی حادثہ) میں مولانا محمد اسحاق صاحب کی نئی جماعت پھر دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ الصدر الحمید (مولانا محمد اسحاق صاحب) نے جس طائفہ کو نئی تنظیم میں مرکزی اختیارات دیئے تھے۔ وہ طائفہ تو سلطان دہلی کا طرف دار ہوگیا اور سلطانی تحریک کی شکست کے بعد مولانا محمد اسحاق کی طرح حجاز پہنچ گیا۔ چنانچہ امیر امداد اللہ (حاجی امداد اللہ صاحب) اور مولانا عبدالغنی، مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی کے ساتھ حجاز میں بیٹھ کر اپنی ہندوستانی تحریک کی رہنمائی کرتے رہے اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا محمد اسحاق کے متبعین کی پہلی صف میں سے علماء اور صوفیہ کا کثیر حصہ سلطان دہلی کی لڑائی میں غیر جانب دار بن گیا۔ اس کا حاصل یہ سمجھنا چاہیے کہ الصدر الحمید کی تنظیم کے بالمقابل اگر پٹنہ میں پارٹی قائم ہو چکی تھی تو اب خود الصدر الحمید کے اپنے فرقہ میں سے ایک مخالف جماعت دہلی میں پیدا ہوگئی۔ مولانا سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی اس دوسری جماعت کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۲۰۰)

۱۶۲۔ کس قدر دلچسپ تماشا ہے کہ جن کو سرسید، لچے، شہدے جیسے الفاظ سے یاد کر رہے ہیں، اُن کے پاس تو وہ فتویٰ موجود ہے جس پر اس دور کے پر تقدس اور متقی و پرہیزگار علماء اور مفتیان کرام کے دستخط ثبت ہیں اور سرسید صاحب کے ہمنوا جو سرسید صاحب کے ارشاد کے مطابق مقدس، پرہیزگار، باوقار اور سنجیدہ ہوں گے، وہ فتوے سے محروم یہاں تک کہ جو فتویٰ انہوں نے مرتب کرایا ہوگا، اس کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی کوئی قابل اعتبار شخص میسر نہیں آیا۔

۱۶۳۔ حضرت سید احمد شہید بالخصوص مولانا اسمٰعیل شہید جو ہی دہلی کے رہنے والے تھے۔ سرسید صاحب نے اُن کے جہاد کی تاویل یہ کر دی کہ:

"بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی گرامی مولوی محمد اسمٰعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا۔ اور آدمیوں کو جہاد کی

ترغیب دی۔ اس وقت اُس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کے امن میں رہتے ہیں، ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکاری عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی" (اسباب بغاوت ہند ص ۷۰،۸)

سرسید مرحوم کی اس تاویل کے متعلق محترم غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمالیجے۔ مہر صاحب فرماتے ہیں۔ میں جہاں تک تحقیق کر سکا ہوں، سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم نے سید صاحب شہید کے جہاد کا رخ انگریزوں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف پھیرا (سید احمد شہید ص ۲۵۲)۔ مزید تحقیق کیلئے اصل کتاب ملاحظہ ہو۔ نیز شاندار ماضی دوم میں بھی اس پر کافی بحث گزر چکی ہے۔

۱۶۴۔ مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا لیاقت علی، مولانا فیض احمد، مولانا کفایت علی، مولانا محمد قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی جیسے اکابر علماء کو خدا جانے سید صاحب نے ان دونوں لفظوں کا مصداق سمجھا ہے یا کسی ایک کا (تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو) ہاں سرسید صاحب کی طرف سے یہ معذرت کی جا سکتی ہے کہ اُن کے پیش نظر مغل شاہزادے اور اطراف و جوانب کے وہ نواب اور راجہ ہیں جو اگرچہ اس وقت تحریک انقلاب میں پیش پیش تھے، مگر ان کی اخلاقی زندگی ہمیشہ خراب و خستہ رہی تھی۔

۱۶۵۔ سید صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ سید صاحب صدر امین ضرور تھے مگر وکیل نہ تھے۔ اگر سید صاحب قابل وکیل ہوتے یا صفائی دینے کے لئے کسی قابل وکیل سے مشورہ ہی کر لیتے تو علمبرداران حریت پر یہ غلط الزام نہ لگاتے۔ شمس العلماء ذکاء اللہ خاں نے صرف جہادی وہابیوں پر اس بغاوت کی ذمہ داری ڈالی ہے جن کا ایک ایک فرد شہید ہو چکا تھا۔ سید صاحب بھی یہی طریقہ اختیار کرتے تو موجودہ مسلمانوں کی طرف سے صفائی ہو جاتی۔ یعنی جہادی باغی شہید ہو چکے اور جو اس وقت موجود ہیں وہ ہمیشہ وفادار رہے۔ مگر علماء اور اکابر دین کو دشنام دہی جو سید صاحب کا مخصوص ذوق تھا وہ تشنہ رہ جاتا۔ افسوس۔

۱۶۶۔ یہ سید صاحب کا قصور فہم اور اُن کے نظریہ کی غلطی ہے۔ مجاہدین ان بعید الوطن بیگانوں کو حاکم اور امیر نہیں تسلیم کرتے تھے بلکہ اُن کو غاصب، بد عہد اور خائن سمجھتے تھے۔ سرکاری خزانہ اور اسباب، امانت نہیں تھا بلکہ مال مغصوب تھا، اس کے اصل مالک ہندوستانی تھے۔ انگریزوں نے جبر و قہر سے جس کو قانون کی شکل دے دی تھی۔ ہندوستانیوں کا مال لوٹا تھا، چھینا تھا۔ لہٰذا ہندوستانیوں کو اس ملک کے واپس لینے کا حق تھا۔ انقلابی مجاہدین نے اپنا یہی حق حاصل کیا تھا۔

۱۶۷۔ یہ ملازمت وقع الوقتی تھی۔ اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے ہر وقت اس ملازمت کو ختم کر دینے کا حق تھا۔ مجاہدین نے جو کچھ کیا، ملازمت ختم کرنے کے بعد کیا۔ اور نمک حرام ہندوستانی ملازم نہیں تھے بلکہ انگریز تھے، جنہوں نے شاہ عالم سے دیوانی حاصل کر کے اتنی بڑی نمک حرامی کی تھی کہ نمک حرامی کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

۱۶۸۔ بیشک گناہ عظیم تھا بلکہ اس سے بھی بدتر لفظ اس کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نکتہ سنجان قضا و قدر کا انکشاف تو یہ ہے کہ یہی بے عنوانی اس تحریک کی ناکامی کا سبب بنی۔ معاذ اللہ۔ باقی یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک ایک کے بدلے میں سو سو اور کہیں اس سے بھی زیادہ کو قربان کرنا پڑا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کو قتل اس بنا پر کیا کہ یہ جاسوسی کر رہے تھے۔ البتہ اتنی کی ضرور ہوئی کہ مصنوعی عدالت میں ان کو پیش کر کے کورٹ مارشل نہیں کرایا گیا۔

۱۶۹۔ درست ہے مگر اس سے فتوئی جہاد پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جہاد اس لئے نہیں تھا کہ معزول کو دوبارہ بادشاہ بنا دیں بلکہ جہاد کی غرض انگریزوں کو نکالنا تھا جیسا کہ آئندہ فتوے کے سوال اور جواب سے ظاہر ہوگا۔ البتہ چونکہ اس وقت میرٹھ کی فوج نے بہادر شاہ کو بادشاہ بنالیا تھا، اس لئے اہل علم کی رائے میں اختلاف ضرور پیدا ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے جو پہلے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔

۱۷۰۔ مگر انگریزوں سے برا کوئی بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اسی بنا پر انہیں علماء کی اکثریت نے جہاد میں حصہ لیا اور جام شہادت سے سرشار ہوئے۔

۱۷۱۔ دشمن اگر پناہ مانگے تو پناہ دینا فتویٰ جہاد کے خلاف نہیں بلکہ جس کلام پاک کی روشنی میں جہاد کا فتویٰ دیا جاتا ہے اس کا حکم ہے وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ "اگر بے سر جنگ مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو۔ تا کہ اس کو توفیق ہو کہ اللہ کی بات سنے اور اس پر عمل کرے (سورہ توبہ) بالخصوص عورت کا معاملہ تو بہت ہی نازک ہے حدیث میں خصوصیت سے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل کی ممانعت ہے۔

۱۷۲۔ غلط ہے مولانا محمد سرفراز علی صاحب جنرل بخت خاں کے پیر و مرشد جن کی سربراہی میں جنرل بخت خاں دہلی پہنچے اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی جیسے بزرگوں کے جہاد کا ہمیں علم ہے اور باقی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ علاوہ ازیں جب ماہر جنگ سپاہ اور فوج موجود تھی، تو لازم بھی نہیں تھا کہ جو جنگ کے ماہر نہ ہوں وہ میدان میں کود پڑیں۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔

۱۷۳۔ اسباب بغاوت ہند ص ۷ تا ۱۰۔

۱۷۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فتویٰ پہلے سے تھا لیکن اس کا چرچا نہیں تھا اور مسجدوں میں جہاد کے وعظ بھی کم ہوتے تھے۔

۱۷۵۔ خرو کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرو۔

۱۷۶۔ برعکس نام نہند زنگی کا فور۔

۱۷۷۔ یہ شمس العلماء کا خیال ہے۔ فتوے کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا تفصیل آئندہ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۷۸۔ یعنی سر سید مرحوم کی طرح انگریزوں سے جہاد کو جائز نہیں کہا، بلکہ یہ عذر کیا کہ جہاد کی شرطیں مثلاً مقابلہ کی پوری قوت وغیرہ موجود نہیں ہیں۔ یہی عذر حضرت شیخ محمد صاحب تھانوی نے بھی پیش کیا تھا۔

۱۷۹۔ ملاحظہ ہو تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۶۷۵۔

۱۸۰۔ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۲۰۰ ملخصاً۔

۱۸۱۔ ملاحظہ ہو تواریخ عجیب عرف کالا پانی ص ۲۰ شائع کردہ اقبال اکیڈمی لاہور۔

۱۸۲۔ تراجم علماء حدیث ہند ص ۱۳۹۔

۱۸۳۔ یہ ڈاکٹر اطہر عباس صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی لکھی ہوئی ہندی زبان کی کتاب ہے جس کو حکومت یوپی نے ۱۸۵۷ء کی یادگار میں شائع کیا ہے۔ اس کے آخر میں بہت اہم کاغذات کے عکس بھی چھاپ دیئے گئے ہیں۔ ان کے منجملہ صادق اخبار دہلی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کا فوٹو بھی ہے۔ اس کے ایک صفحہ پر فتویٰ جہاد بھی موجود ہے۔ مدیر اخبار نے اس فتویٰ کی سرخی یہ دی ہے۔ نقل استفتاء از اخبار الظفر دہلی اردو۔

۱۸۴۔ مرتب و شائع کردہ ادبی پبلشرز شعبہ اشاعت انجمن اسلام بمبئی۔ ضمیمہ ص ۸

۱۸۵۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۶۷۵۔

۱۸۶۔ ایضاً، ص ۶۷۰

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۶۸۶

۱۸۸۔ توفی الشیخ ۱۲۶۷ھ و دفن فی مقبرۃ الامام ولی اللہ الدہلوی۔ سیاسی تحریک ص ۱۸۲

۱۸۹۔ ابوظفر بہادر شاہ از مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی، ص ۴۱۔

۱۹۰۔ اسباب بغاوت ہند ص ۸۔

۱۹۱۔ ایضاً ص ۸

۱۹۲۔ ایضاً

۱۹۳۔ اسباب بغاوت ہند ص ۸۔

۱۹۴۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۶۷۶۔

۱۹۵۔ شاہی خاندان کی بدکرداری جو اس درجہ رسوائے عالم ہو چکی تھی کہ بقول شمس العلماء ذکاء اللہ خاں مشرق میں جس قدر برائیاں

ہیں وہ سب اس قلعہ میں موجود تھیں۔ شہر کے مقدس اور متبرک آدمی کہا کرتے تھے کہ اگر کسی مکان میں قلعہ کی اینٹ بھی لگ جائے تو اس میں رہنا حرام ہے (تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۳۶۹) جب اس بدکرداری پر نظر پڑتی ہے تو فوراً قرآن پاک کی آیت ذہن میں آجاتی ہے۔ و اذا اردنا ان نهلک قرية الخ

۱۹۶۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۳۷۸

۱۹۷۔ تاریخ بغاوت ہند ص ۳۰۰

۱۹۸۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۶۷۵

۱۹۹۔ سلطان محمود غزنوی کے باپ۔

۲۰۰۔ یہ اقتباس خواجہ صاحب کی مشہور تصنیف ''دہلی کی جان کنی'' سے ماخوذ ہے جو ۱۹۲۲ء میں لکھی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو دیباچہ ص ۹۔

۲۰۱۔ دہلی کی جان کنی ص ۳۲ و ۳۳

۲۰۲۔ داستان غدر ص ۱۱۳۔

۲۰۳۔ داستان غدر ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۳۔

۲۰۴۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۱۱۷۔

۲۰۵۔ داستان غدر ص ۳۷۔ ان کے علاوہ تباہ ہونے والے بازاروں میں فیض بازار اور اردو بازار کے نام بھی لئے گئے ہیں جو اسی علاقہ میں تھے۔

۲۰۶۔ تاریخ عروج عہد انگلیشیہ ص ۷۰۲۔

۲۰۷۔ تاریخ عروج انگلیشیہ ص ۷۱۷۔

۲۰۸۔ چند سال تک پامال کرنے کے بعد جب انگریزی فوج کا رسالہ یہاں سے منتقل ہوا، تو بیکری اور کچن وغیرہ کی حیثیت ختم کر کے پھر مسجد کی اصل صورت بحال کی گئی سبحان اللہ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کو اس مسجد سے بے حد انس تھا۔ کیونکہ اُن کے والد ماجد نے اسی مسجد کی ایک صحن چی کو اپنا نشیمن بنالیا تھا۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کے بچپن کا ایک حصہ اسی مسجد میں گزرا تھا۔ پھر یہ مسجد آثار قدیمہ کی فہرست میں داخل ہوگئی۔

۲۰۹۔ دریا گنج میں ہونے کے سبب سے اس مسجد پر دوسری افتاد تقسیم ہند کے زمانہ (۱۹۴۷ء) میں پڑی۔ جب اس علاقہ میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال کے شعلے بھڑکے، تو اس مسجد میں شرنارتھیوں کے بہت سے خاندان آباد ہوگئے۔ تقریباً چار سال بعد مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جو سنی مجلس اوقاف کے چیئرمین بھی تھے بہت مشکل سے اس مسجد کو خالی کرا کر پھاٹک بند کرادیا اور آمد و رفت کے لئے غربی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ باقی رکھا۔ لیکن چونکہ آس پاس کئی کئی فرلانگ تک کوئی مسلمان اس علاقہ میں نہیں تھا، کچھ دنوں تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ پھر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے یہاں دینی تربیتی مرکز قائم کیا گیا۔ محلہ چوڑی والان کے ایک مشہور صاحب خیر حاجی زین العابدین نے کئی سو روپیہ صرف کر کے بجلی کی فٹنگ کرائی اور بیت الخلاء تیار کرائے۔ مرادآباد کے مشہور بزرگ حضرت مولانا مظفرالدین صاحب کی مدد سے کئی ہزار روپیہ صرف کر کے اس کی ایک جانب کی کوٹھیاں درست کرائی گئیں۔ الحمدللہ اب یہ مسجد آباد ہے۔

۲۱۰۔ سیرت سید احمد شہید ص ۸۷۔

۲۱۱۔ ایضاً ص ۸۹

۲۱۲۔ محترم غلام رسول صاحب مہر کا ارشاد ہے۔ تنظیم جہاد کا کاروبار اسی مسجد میں بیٹھ کر شروع کیا تھا۔ سرگزشت مجاہدین ص ۱۲۷۔

۲۱۳۔ ایضاً۔

۲۱۴۔ ایڈورڈ کا یہ مجسمہ ۱۹۱۱ء میں قائم کیا گیا مگر اس کی تیاریاں بہت پہلے سے تھیں (ملاحظہ فرمایئے واقعات دارالحکومت دہلی جلد ۲)۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک لاکھ مکان منہدم کئے گئے (دہلی کی سزا ص ۴۷)۔